Article

Three voices of modern Urdu Ghazal and thoughts of Gotam

جدید اردو غزل کی تین آوازیں اور فکرِ گوتم

Dr. Zafar Iqbal[*1]
Assistant Professor, Govt Graduate College, Samundari

1ڈاکٹر ظفر اقبال

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، گورنمنٹ گریجوایٹ کالج، سمندری (فیصل آباد)

Muhammad Adnan Iqbal[*2]
Ph.D Scholar, Deptt of Urdu, Govt College University, FSD

2محمد عدنان اقبال

سکالر، پی ایچ ڈی اردو، گورنمنٹ کالج یونی ورسٹی، فیصل آباد

Correspondance: zafariqbal4405@gmail.com

eISSN:**3005-3757**
pISSN: **3005-3765**

Received: 12-07-2023
Accepted:10-09-2023
Online:30-09-2023

Copyright:© 2023 by the authors. This is an access-openarticle distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

ABSTRACT: Gotam is founder of Budhism. His philosophy of peace and love has impressed mankind all over the world. He has remained a very attractive character for fiction writers. It is a noticeable point that modern Urdu poetry especially Urdu Ghazal is much influenced by him. From Iqbal to contemporary age, many poets has written ghazals that are based on his philosophy. These poets have expressed not only biographical aspects of his life but also seen his personality as metaphoragaist bloodshed.

KEYWORDS: Modern, Urdu, Ghazal, Gautam, Mysticism

غزل کو اردو شاعری کی آبرو کہا جاتا ہے۔ غزل کا ہر شعر اپنے اندر ایک الگ موضوع اور فکری وحدت رکھتا ہے۔ یوں غزل کا ہر شعر معنوی اعتبار سے مکمل ہوتا ہے۔ یہ واحد صنفِ سخن ہے جو مغربی ادب کے اثرات سے بڑی حد تک محفوظ رہی۔ ابتدا میں اردو غزل فکری طور پر عشق و حسن تک محدود رہی مگر بعد میں غزل کے اندر ہر موضوع کو بیان کیا جانے لگا۔ اب غزل انسان کے تمام مسائل اور عوامل کے ساتھ ساتھ کائنات کی تفہیم اور سائنسی موضوعات کو بھی اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ اردو غزل کو ولی دکنی، میر تقی میر، سودا، مومن، غالب، ذوق، مصحفی، آتش، ناسخ، بہادر شاہ ظفر، داغ دہلوی، علامہ اقبال، ناصر کاظمی، حسرت موہانی، فانی بدایونی وغیرہ جیسے شعرا نے ثروت مند بنایا اور عہدِ حاضر کے غزل گو شعرا بھی غزل میں منفرد تجربات کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ اردو ادب بجا طور پر اردو غزل پر فخر کر سکتا ہے۔

کلاسیکی اردو غزل میں مختلف صوفیا کرام کی تعلیمات کو موضوع بنایا گیا۔ کلاسیکی اردو غزل کے چند شعرا کے ہاں تصوف اور صوفیا کے اثرات نمایاں ہیں۔ جدید اردو غزل میں بھی نامور اہلِ دانش، فلسفیوں، مفکرین اور تاریخی شخصیات کی فکر و عمل کو موضوع بنایا گیا ہے۔ بعض غزل گو شعرا نے کلی طور پر اہلِ دانش اور تاریخی شخصیات کی فکر کو موضوع بنایا ہے جبکہ چند شعرا نے جزوی سطح پر تاریخی شخصیات اور اہلِ دانش کے اثرات قبول کیے۔

جدید اردو غزل پر ان دانش مندوں، مفکروں اور فلسفیوں کے اثرات محض فکری سطح ہی پر نہیں بلکہ فنّی اور اسلوبیاتی سطح پر بھی ان شخصیات کے اثرات نمایاں ہیں۔ اردو غزل میں تلمیح، تشبیہ، علامت اور استعارے کی صورت میں بھی ان تاریخی شخصیات کا ذکر کسی نہ کسی طور ملتا ہے۔ جدید اردو غزل پر بدھ مت مذہب کے پیشوا مہاتما گوتم بدھ کے فکر و فلسفے کے اثرات بھی نمایاں ہیں۔ مہاتما گوتم بدھ کا شمار انسانی تاریخ کی نامور شخصیات میں ہوتا ہے۔ سدھارتھ گوتم بدھ نے بدھ مت مذہب کی بنیاد رکھی اور دکھی انسانیت کو امن و محبت اور مساوات کا پیغام دیا۔ نروان کے حصول کے بعد گوتم بدھ نے پوری دنیا میں اپنا گیان پھیلایا اور دنیا کو دکھوں کا گھر قرار دیا۔ انھوں نے ذات پات کے نظام اور طبقاتی تقسیم کو رَد کیا اور مساواتِ انسانی کا درس دیا۔ انھوں نے قبل مسیح کے زمانے میں جنوبی ایشیا سمیت پوری دنیا میں فکری اور عملی حوالے سے انقلاب برپا کیا۔

گوتم بدھ کے فلسفے اور فکر کے اثرات کلاسیکی اردو غزل پر کہیں دکھائی نہیں دیتے لیکن جدید اردو غزل میں فکری اور فنّی ہر دو سطحوں پر گوتم بدھ اور ان کے فکر و فلسفے کے اثرات نظر آتے ہیں۔ مختلف اردو شعرا نے گوتم بدھ کے افکار و نظریات اور فلسفے کو فکری اور موضوعاتی سطح پر اپنی غزلوں میں بیان کیا ہے جبکہ اسلوبیاتی شکل میں بھی گوتم کا ذکر چند غزل گو شعرا کے ہاں ملتا ہے۔ جن جدید اردو غزل گو شعرا کے ہاں گوتم بدھ کے فکر و فلسفے کے اثرات نمایاں ہیں، ان میں اختر احسن، رفیق اظہر اور حسنین بخاری کے نام لائقِ مطالعہ ہیں۔

جدید اردو غزل میں جن شعرا نے گوتم بدھ کی فکر کو بطورِ خاص موضوع بنایا، ان میں سب سے اہم نام اختر احسن کا ہے۔ اختر احسن کا شمار نامور غزل گو شعرا میں ہوتا ہے۔ ان کا شعری مجموعہ بعنوان "گیا نگر میں لنکا" اردو غزل میں ایک منفرد آواز ہے۔ اس شعری مجموعے میں "پہلا حرف" کے عنوان سے اختر احسن نے دیباچہ لکھا ہے۔ علاوہ ازیں انھوں نے "نئی شاعری کے تین منشور" بھی پیش کیے ہیں اور قاری کی مقدور بھر رہنمائی کی کوشش کی ہے۔ مذکورہ تین منشور "شطرنج کی بساط"، "تلوار کا فن" اور "ناقسمتی" کے عنوان سے قلمبند کیے گئے ہیں۔

اختر احسن نے مذکورہ تین منشوروں کے ذریعے قدیم دور کی شاعری، موجودہ دور کی شاعری اور مستقبل کی شاعری سے متعلق قاری کو آگاہ کیا ہے۔ شاعری کے پہلے منشور "شطرنج کی بساط" میں انھوں نے قدیم دور کی شاعری کو مداری اور رسی سے بندھے بندر کے ناچ سے مماثلت دی ہے۔ اس میں سارے کا سارا شعری عمل بندر کی جبلی طاقت سے ظاہر ہوا تھا۔ دوسرے منشور "تلوار کا فن" میں انھوں نے گوتم بدھ کے پیروکار فرقے "زین" کا ذکر کیا ہے جس میں نروان کا حصول صرف تلوار کا فن سیکھنے سے مشروط ہے۔ یہ زین فرقہ چین اور جاپان کے خطوں میں موجود ہے۔ اس فرقے کے عقیدے سے متعلق اہنسا کے عظیم پیغامبر کے وعظ کا ذکر اختر احسن نے یوں کیا ہے:

> "اے بھکشوؤ! تلوار اٹھاؤ تلوار! لیکن وہ تلوار جو مارتی نہیں اور نہ مارنے والی تلوار صرف ایک ہے اور وہ ہے ہوا جھلنے کا پنکھا۔ اگر کوئی ظالم تم پر مارنے والی تلوار سے حملہ کرے تو تم جواباً زور زور سے پنکھا جھلو۔ خلا کے تمام فنون میں سب سے افضل فن یہی پنکھا جھلنے کا فن ہے۔ چنانچہ اس فن کو خوب تندہی سے سیکھو۔ اس میں اپنا تن من دھن سب کچھ لگا دو۔ اس سے تمہاری دنیا بھی محفوظ ہو جائے گی اور تمھیں سچا نروان بھی ملے گا۔"(۱)

تیسرے منشور میں اختر احسن نے عصرِ حاضر اور مستقبل قریب کی استعماری قوتوں کا ذکر کیا ہے۔ جدید دور میں اقوامِ متحدہ خدا کا درجہ اختیار کر چکی ہے اور عالمِ انسانی کے تمام فیصلے کرنے پر قادر ہے۔ اقوامِ متحدہ استعماری قوتوں کا ایک ایسا آلہ ہے جس کے ذریعے چند ممالک ساری دنیا کی قسمت کا فیصلہ کرنے کا حق رکھتے ہیں۔

اختر احسن کا شعری مجموعہ "گیا نگر میں لنکا" دو ابواب میں منقسم ہے۔ پہلا باب "گوتم" کے عنوان سے ہے جبکہ دوسرا باب "راون" ہے۔ انھوں نے جس نوع کا تجربہ کیا ہے وہ انھیں بدھ مت کی ذیلی شاخ "زین" سے ملاتا ہے۔ بدھ مت کی یہ ذیلی شاخ مشرقی ممالک چین اور جاپان میں پائی جاتی ہے جبکہ اس کے اثرات بھارت میں بھی کسی نہ کسی حد

تک موجود ہیں۔ انھوں نے ان غزلوں جن کو "زین غزلوں" کا نام دیا ہے، کے پہلے باب میں گوتم کے کردار کو تراشا ہے اور اس کے فکر و فلسفے کو بیان کیا ہے۔ اس تناظر میں پہلی غزل سے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

میرے من میں آؤ گوتم
مکتی گیت سناؤ گوتم
پیچھے نرک میں مت چھوڑو
سب کو آگے لاؤ گوتم
مکتی سستا سودا ہے
دنیا مہنگا بھاؤ گوتم (۲)

مذکورہ بالا غزل کے چند اشعار میں اختر احسن نے گوتم کے فلسفہ مکتی کا پرچار کیا ہے۔ گوتم نے دنیا کو دکھوں کا گھر قرار دیا ہے اور ان مصائب و آلام سے نجات حاصل کرنے کے لیے گوتم نے انسان کو دنیاوی آسائشوں اور آلائشوں سے بچنے کا درس دیا۔ شاعر نے گوتم نے فلسفے کا پرچار کرتے ہوئے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ دنیاوی خواہشات کا اسیر انسان خسارے میں ہے اور جو ان دنیاوی آرزوؤں سے نجات حاصل کر کے مکتی پا لے، دراصل وہی انسان دنیاوی مصائب سے چھٹکارا پا سکتا ہے۔ دوسری غزل میں شاعر نے گوتم بدھ کے فلسفہ نروان کی طرف اشارہ کیا ہے:

گوتم سے کر کے کھٹ پٹ
کھولتے ہیں نروان کے پٹ
چندن ہے نروان نگر
بدھی ناریوں کا جھرمٹ
کیسے سجے بنے گوتم
گلے میں جوگی کے ہے لٹ (۳)

گوتم بدھ کے فلسفے کی بنیاد "نروان" یا "ابدی مسرت" ہے۔ گوتم نے اپنے بھکشوؤں (پیروکاروں) کو نروان حاصل کرنے کی تلقین کی اور اس کی راہ بھی بتائی۔ مذکورہ بالا غزل کے اشعار میں گوتم کے نروان اور اس کے جوگ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ جوگی سے مراد در حقیقت ایسا شخص ہے جو دنیاوی خواہشات اور لذتوں سے ناآشنا ہو کر راہِ حق کی طرف گامزن ہو۔ اختر احسن نے اس شعری مجموعے میں گوتم کے نروان اور فلسفہ امن و محبت پر کئی غزلیں تخلیق کی ہیں۔ انھوں نے بدھ مت میں "ترکِ دنیا" کے فلسفے کو بھی بیان کیا ہے۔

یہ نکتہ دل چسپ ہے کہ اختر احسن نے گوتم کے افکار اور فلسفے کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اس پر گہرا طنز بھی کیا ہے۔ شاعر کا خیال ہے کہ عہدِ حاضر میں گوتم بدھ کا فلسفہ قابلِ عمل نہیں ہے۔ موجودہ دور میں مکتی اور نروان کی باتیں محض خام خیالی ہے۔ انسان عصرِ حاضر میں خواہشات اور آرزوؤں سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتا، اس لیے گوتم بدھ کے پیروکار بھی امن و آشتی اور ابدی مسرت کے حصول کے بجائے طاقت کے حصول کو ترجیح دے رہے ہیں۔ ان کے خیال میں گوتم کا فلسفہ بے عملی اور جمود کا درس دیتا ہے:

گوتم بدھ بے چارا ہے
بے طاقت ناکارہ ہے
گوتم بدھ نے آخر کار
کیسا روپ سنوارا ہے
سدھ سادھی میں پورا
جو آدھا تھا دارا ہے
مشرق میں گر جیت ہوئی
مغرب میں اب ہارا ہے (۴)

اختر احسن نے وسیع تناظر میں گوتم کو ایشیائی اقوام کے استعارے کے طور پر پیش کیا ہے جبکہ روان مغربی اقوام کے استعارے کے طور پر سامنے آتا ہے۔ زین غزلوں میں گوتم اور راون دو متضاد تہذیبوں کی علامتیں ہیں۔ گیا نگر پر لنکا غالب آ چکا ہے اور موجودہ دور میں راون یعنی شر کی جیت ہوئی ہے۔ غلام حسین ساجد اس تناظر میں لکھتے ہیں:

"" گیا نگر میں لنکا" طیب زمینوں میں شر کی کونپل پھوٹنے کا استعارہ ہے۔ آج گوتم کے گیان کو راون کی تلوار نے کاٹ کر مغلوب کر رکھا ہے اور اس میں کیا شبہ ہے کہ راون کی سو ہزار شکلیں ہیں اور گوتم کا وہی ایک اکیلا دھارن۔" (۵)

مذکورہ شعری مجموعے کو عالمی منظرنامے کے ضمن میں دیکھا جائے تو گوتم ایشیائی اقوام کا نمائندہ ہے۔ شاعر نے گوتم کو علامتی معنویت میں پیش کر کے ایشیائی اقوام کی زبوں حالی اور زوال پزیری کو سامنے لانے کی کوشش کی ہے۔ دوسری طرف راون کی نمائندہ قوتیں وہ غالب مغربی اقوام ہیں جو عصری صورت حال میں مختلف ہتھکنڈوں سے پوری دنیا پر حکمرانی کیے بیٹھی ہیں۔

رفیق غزل جدید اردو غزل کی توانا آواز ہیں۔ ان کے شعری مجموعے بعنوان "میں ہوں آنسو مہاتما بدھ کا" کا عنوان ہی گوتم بدھ کے فلسفہ غم کی جانب اشارہ کرتا ہے۔ مذکورہ شعری مجموعہ بنیادی طور پر تین حصوں میں منقسم ہے۔ پہلے حصے میں اکیاون غزلیں شامل ہیں۔ دوسرا حصہ انتیس غزلیات پر مشتمل ہے جبکہ تیسرا حصہ متفرق کے عنوان سے ہے جس میں مختلف رباعیات اور غزلیات شامل ہیں۔ رفیق اظہر نے مذکورہ شعری مجموعے میں گوتم بدھ کو امن کے استعارے کے طور پر پیش کیا ہے اور عصرِ حاضر میں بین الاقوامی سطح پر ہونے پر بدامنی پر اظہارِ تشویش کیا ہے۔

رفیق اظہر نے اپنی غزلیات میں گوتم بدھ کے فلسفہ غم کی عکاسی مہارت سے کی ہے۔ گوتم بدھ نے دنیا کو دکھوں کا گھر قرار دیا ہے۔ ان کے خیال میں دکھ دنیا کی پہلی عظیم سچائی ہے اور یہی زندگی کی اصل حقیقت ہے۔ گوتم کے خیال میں پیدائش، عارضہ، موت، اندوہ و غم، آہ و زاری، ناگوار کے ساتھ میل جول، پیاری چیزوں سے لگاؤ اور ناکام خواہشات دکھ ہیں۔ رفیق اظہر نے گوتم بدھ کے فلسفہ غم کو اپنے شعر میں یوں بیان کیا ہے:

زندگی درد کا پیالہ ہے
عشق نے اور بھی اچھالا ہے (۶)

گوتم بدھ کے خیال میں جب انسان دنیاوی چیزوں سے محبت کرتا ہے تو اس کے دکھوں میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے بھکشوؤں کو دنیاوی خواہشات سے دور بھاگنے اور ترکِ دنیا کا درس دیتا ہے۔ انسان دنیاوی غموں سے اسی وقت نجات حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکتا ہے جب وہ درویشانہ زندگی بسر کرے اور تمام دنیوی آرزوؤں سے کنارہ کشی کر لے۔ یہ نکتہ بھی ذہن نشین رہے کہ گوتم بدھ کپل وستو کے راجہ کے گھر پیدا ہوئے اور انھوں نے زندگی کے کم و بیش تین عشرے شہزادے کے طور پر گزارے مگر بعد میں انھوں نے زندگی کے حقائق کو مد نظر رکھتے ہوئے فقیرانہ بود و باش اختیار کیا۔ گھر سے نکلنے کے بعد انھوں نے جوگ اختیار کر لیا اور بعد میں جب انھیں نروان ملا تو انھوں نے فقیرانہ زندگی گزاری۔ رفیق اظہر کا درج ذیل شعر اس طرف اشارہ کرتا ہے:

کر فقیرانہ بود و باش کوئی
زندگی ہے سرائے اِمکانی (۷)

رفیق اظہر نے گوتم بدھ کے حصولِ نروان اور اس کے لوازمات کو بھی اپنی غزلیات کا موضوع بنایا ہے۔ نروان کے حصول کے لیے چار سرگرم مراقبوں کی ضرورت ہے اور مراقبے کے لیے اپنے دل کو تمام مادی خواہشات اور ہوس سے پاک کرنا ضروری ہے۔ اس صورت حال کی عکاسی شاعر نے یوں کی ہے:

بن گیا ہوں میں سوچ کی گٹھری
اب وہ باہر ہوس کی تاک نہیں(۸)

گوتم بدھ کا ایک اور بنیادی فلسفہ "امن کا فلسفہ" ہے۔ انھوں نے اپنے بھکشوؤں کو رحم دلی، امن پسندی اور صلح کا درس دیا۔ بدھ مذہب ہر کسی سے محبت کا درس دیتا ہے۔ بدھ مت میں لڑائی جھگڑے اور قتل و غارت کی گنجائش کسی طور نہیں ہے۔ حتٰی کہ حشرات الارض کو بھی انسانی رحم کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں گوتم بدھ نے جانوروں کی قربانی کو بھی ممنوع قرار دیا۔ کرشن کمار اس تناظر میں یوں رقمطراز ہیں:

"بدھ نے پر تشدد قربانیوں کی خوب مذمت کی اور انہیں جانداروں کے قتل کی رسم قرار دیا۔ اس مصلح کی امن پسندی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ گھاس تک کاٹنا اس کے نزدیک ناپسندیدہ عمل ہے۔" (۹)

رفیق اظہر نے گوتم بدھ کے تصورِ امن و محبت کا ذکر موجودہ بین الاقوامی صورت حال کے تناظر میں کیا ہے۔ ان کے خیال میں آج گوتم کا امن پسندی کا نعرہ عملی طور پر کھوکھلا ہو چکا ہے۔ بیسویں اور اکیسویں صدی میں انسان نے جہاں ٹیکنالوجی اور سائنسی میدان میں حیرت انگیز کامیابیاں اور کامرانیاں سمیٹیں، وہاں ایسے ہولناک اور تباہ کن جنگی ہتھیار بھی بنا ڈالے جو چند ساعتوں میں ہزاروں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار سکتے ہیں۔ بیسویں صدی میں دو عظیم جنگوں نے جہاں پوری دنیا کو متاثر کیا وہیں اکیسویں صدی میں امریکہ اور اس کے حواریوں کے مسلمان ممالک کے خلاف جنگی عزائم نے ساری دنیا کے امن کو تباہ کر دیا ہے۔ اس صورت حال پر رفیق اظہر کا یہ شعر پوری طرح صادق آتا ہے:

زرد کپڑوں میں ہے کوئی بھکشو
امن کی بھیک مانگتا پھرتا(10)

مذکورہ بالا شعر میں زرد کپڑوں میں ملبوس بھکشو در حقیقت وہ فرد ہے جو دنیا میں امن کا خواہاں ہے اور تمام معاملات و مسائل کو بات چیت سے حل کرنے پر زور دیتا ہے تاکہ دنیا امن کا گہوارہ بن سکے۔ انھوں نے کہیں کہیں براہِ

راست اور چند مقامات پر علامتی اور استعاراتی انداز میں موجودہ دور میں بڑی طاقتوں کے جنگی جنون اور ہوس پرستی کو بے نقاب کیا ہے اور مہاتما گوتم بدھ کو امن کا استعارہ بنا کر نام نہاد عالمی قوتوں کو ہدفِ تعریض بنایا ہے:

سر پر پڑے تو ڈر نہ تو قتل و قتال سے
پہلے گریز چاہیئے جنگ و جدال سے
ڈھانچے میں کائنات کے رکھ دی ہے کوئی ٹیڑھ
امن وامان ہے یہاں بے حد محال سے(11)

رفیق اظہر نے موجودہ دور میں بد امنی اور انسانی مصائب و مشکلات کو اس شعری مجموعے میں اجاگر کیا ہے۔ موجودہ عہد میں جنگ و وحشت، بین الاقوامی مفاد پرستیوں اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی دہشت پسندی نے انسانیت کو خطرے سے دوچار کر دیا ہے اور موجودہ انسان نے گوتم کا درسِ امن و محبت یکسر فراموش کر دیا ہے۔ رفیق اظہر نے علامتی انداز میں گوتم کے فلسفہ امن و محبت کا پرچار کیا ہے۔ ان کا پورا شعری مجموعہ انسان کے جنگی جنون کا غماز ہے اور اس جنگی جنون نے نوعِ انسانی کو جن خطرات سے دوچار کیا ہے، ان سے بچنے کا حل شاعر کے خیال میں یہی ہے کہ گوتم بدھ کے فلسفہ امن پر عمل کیا جائے۔ اس مجموعے میں گوتم بدھ کا فلسفہ امن علامتی معنویت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

عصری اردو شعری منظر نامے میں حسنین بخاری ایک اہم نام ہے۔ اردو نظم اور اردو غزل کے ساتھ ساتھ دیگر شعری اصناف میں بھی انھوں نے طبع آزمائی کی۔ انھوں نے اَسّی کی دہائی میں اپنے تخلیقی سفر کا آغاز کیا اور اب تک ان کے دس سے زاید شعری مجموعے اشاعت پزیر ہو چکے ہیں۔ ان کا تخلیقی سفر ابھی تک جاری و ساری ہے۔ ڈاکٹر سعید احمد اپنے ڈاکٹریٹ کے تحقیقی مقالے میں حسنین بخاری کے حوالے سے یوں گویا ہوتے ہیں:

"سید غلام حسنین بخاری جدید اردو شاعری میں سائنسی فکر کا سب سے قابلِ توجہ نام ہے۔"(۱۲)

حسنین بخاری کے شعری دائرے میں متنوع موضوعات اور افکار سمٹتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ انھوں نے سائنس، کائنات، خدا، انسان، مذہب اور عصری حالات کو موضوع بنایا۔ ان کی غزلیات میں گوتم بدھ کے افکار اور نظریات کو خصوصی طور پر احاطہ قلم میں لایا گیا ہے۔ انھوں نے اپنے اشعار میں برگد کے اس درخت کا ذکر بارہا کیا ہے جہاں بیٹھ کر گوتم بدھ نے نروان یا ابدی مسرت حاصل کی تھی۔ یہ بات لائقِ ذکر ہے کہ گوتم بدھ چھ برس ایک برگد کے

درخت تلے مسلسل مراقبہ کرتے رہے، تبھی انھیں نروان حاصل ہوا۔ اس درخت کو "شجرۃ العقل" کا نام دیا گیا۔ اس تناظر میں ان کا درج ذیل شعر لائقِ توجہ ہے:

کسی کو دامن میں غار کے روشنی ملی ہے یہ میں نے دیکھا
کسی کو سائے میں پیڑ کے زندگی ملی ہے یہ میں نے دیکھا(۱۳)

مذکورہ بالا شعر کے دوسرے مصرعے میں شاعر نے اس پیڑ کا ذکر کیا ہے جس کے سائے تلے بیٹھ کر گوتم بدھ نے کئی برس مسلسل غور و فکر کیا اور اس غور و فکر کے نتیجے میں انھیں نروان حاصل ہوا۔ انھوں نے اپنے کئی اشعار میں برگد کے درخت یعنی "شجرۃ العقل" کو تلمیح کی صورت میں بیان کیا ہے۔ ان کے شعری مجموعے بعنوان "لِقا" جو کہ غزلِ مسلسل کی صورت میں تخلیق کیا گیا ہے، میں اس درخت اور گوتم بدھ کا ذکر ملتا ہے:

صنم دل نے شجر برگد کا بے دردی سے کاٹا ہے
جبھی ہے روحِ گوتم غم زدہ عشقِ الٰہی میں
رخِ برگد سے سایہ لو، دلِ گوتم سے مایہ لو
کرو پوری ہمیشہ آتما عشقِ الٰہی میں
میں کوہ طور اور برگد کا سایہ کس لیے چاہوں
مری خاطر ہے گھر میرا حرا عشقِ الٰہی میں (۱۴)

مذکورہ بالا اشعار میں انھوں نے بدھا کے درخت کو تلمیحاتی اور علامتی تناظر میں پیش کیا ہے۔ اسی درخت کے تلے بیٹھ کر مراقبہ کرنے کے نتیجے میں گوتم کو نروان عطا ہوا اور نروان حاصل کرنے کے بعد گوتم بدھ نے چار سُو پیغام الفت پھیلایا۔ اس دور میں برہمن سامراج نے معاشرے کو مختلف طبقات اور ذات پات کے نظام میں جکڑ کر نفرتیں پیدا کر رکھی تھیں۔ مگر گوتم نے انسانیت کی بھلائی کی خاطر ذات پات کے نظام کو ٹھکرا کر انسانیت کی برابری کا درس دیا اور چار سو محبت پھیلائی۔ بقول حسنین بخاری:

اک بیابان میں اکیلا میں صدا دیتا رہا
نیم جاں پیڑوں کو جینے کی دعا دیتا رہا
لوگ پھیلاتے رہے نفرتوں کو چار سُو

اور میں پیغامِ الفت برملا دیتا رہا[۱۵]

گوتم بدھ نے دکھ کو ایک عظیم سچائی قرار دیا ہے۔ انھوں نے دکھ سے نجات کا راستہ بھی بنایا ہے۔ دکھی انسانیت کے دکھ درد دور کرنے، امن و محبت کو دنیا میں عام کرنے اور برابری کا پیام ہر جگہ پھیلایا۔ شاعر کے خیال میں گوتم آج بھی دکھی انسانیت کے دکھوں کا مداوا کرنے اور انھیں مصائب سے نجات دلانے کے لیے گیان میں بیٹھا ہوا ہے۔ اس ساری صورت حال کو حسنین بخاری نے ایک شعر میں یوں آشکار کیا ہے:

شاید دکھی انسانیت کا مل سکے علاج
بیٹھا ہوا ہے آج بھی گوتم گیان میں(۱۶)

گوتم کا خیال ہے کہ اس دنیا کا ہر شخص نروان اور ابدی مسرت پا سکتا ہے۔ اس کے لیے وہ اپنے بھکشوؤں کو غور و فکر اور مراقبے کی دعوت دیتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ انسان کو اپنی تمام دنیاوی خواہشات اور آرزوؤں سے نجات حاصل کرنے کا درس بھی دیتا ہے۔ گوتم کے نروان یا ابدی مسرت کے فلسفے اور اس کے حصول کے طریقہ کار کو حسنین بخاری منظوم انداز میں یوں بیان کرتے ہیں:

یقیناً ذاتِ حق تم کو عطا نروان کردے گی
ہوس سے لو اگر دل کو بچا عشقِ الٰہی میں(۱۷)

گوتم کے حصولِ نروان اور عرفان کائنات سے متعلق بھی حسنین بخاری نے اپنے کئی اشعار میں اشارہ کیا ہے۔ گوتم کے فلسفے میں چھ حسیات اور شش جہات کا ذکر ایک واضح فلسفے کے طور پر موجود ہے۔ چھ حسیات میں حواسِ خمسہ کے ساتھ ساتھ گوتم بدھ عقل کو چھٹی حس کے طور پر مانتے ہیں۔ گوتم کے نزدیک عقل سب سے اہم انسانی حس ہے اور اسی طرح انھوں نے شش جہات کا ذکر بھی اپنے مواعظ میں کیا ہے۔ انھوں نے مشرق، مغرب، شمال، جنوب، زمین اور آسمان یعنی چاروں اطراف اور نیچے اور اوپر کل چھ اطراف بتائی ہیں۔ بدھ تعلیمات میں مذکورہ بالا چھ جہات کی حفاظت نیکی اور اچھائی کے ذریعے کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس حوالے سے حسنین بخاری کا یہ شعر لائقِ غور ہے:

عرفان جب سے ہوگیا چھ حسیات کا
مفہوم منکشف ہوا ہے شش جہات کا(۱۸)

حسنین بخاری نے اپنی غزلیات میں گوتم بدھ کو بہ طور تلمیح زیادہ استعمال کیا ہے۔ انھوں نے گوتم بدھ کے ساتھ ساتھ دیگر مذہبی اور تاریخی دانش کا ذکر بھی علامتی اور تلمیحی انداز میں کیا ہے۔ اس کے علاوہ گوتم کے مختلف افکار و نظریات اور اخلاقی تعلیمات کو بھی اپنی غزلوں کا موضوع بنایا ہے۔

جدید اردو غزل پر گوتم بدھ کے فلسفے کا مجموعی طور سے جائزہ لیا جائے تو مذکورہ بالا شعرا نے گوتم بدھ کے فلسفے کے متنوع پہلوؤں کو اپنی غزلیات کا موضوع بنایا۔ انھوں نے گوتم بدھ کی تعلیمات اور افکار کو شعری پیرائے میں پیش کیا۔ ان کے ہاں فکری اور فنّی ہر دو سطح پر فلسفہ گوتم کے اثرات موجود ہیں۔ گوتم بدھ کی فکر اور فلسفہ کے تناظر میں اختر احسن، رفیق اظہر اور حسنین بخاری کا کلام لائقِ استحسان ہے۔

حوالہ جات

1۔ اختر احسن، گیا نگر میں لنکا، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۳ء، ص: ۴۰

2۔ ایضاً، ص: ۵۵

3۔ ایضاً، ص: ۵۶

4۔ ایضاً، ص: ۱۰۸

5۔ غلام حسین ساجد، تائید، لاہور: اورینٹ پبلشرز، ۱۹۹۶ء، ص: ۴۷۔۴۳

6۔ رفیق اظہر، میں ہوں آنسو مہاتمابدھ کا، لاہور: کاغذی پیرہن، ۲۰۰۱ء، ص: ۲۰

7۔ ایضاً، ص: ۲۵

8۔ ایضاً، ص: ۴۸

9۔ کرشن کمار، گوتم بدھ... راج محل سے جنگل تک، لاہور: نگارشات، ۲۰۱۳ء، ص: ۲۶۸

10۔ رفیق اظہر، میں آنسو مہاتمابدھ کا، ایضاً، ص: ۲۸

11۔ ایضاً، ص: ۱۱۱

12۔ سعید احمد، اردو شعر کا سائنسی شعور (غیر مطبوعہ تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی اردو)، مخزونہ: شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونی ورسٹی، فیصل آباد، ۲۰۱۳ء، ص: ۲۹۶

13۔ حسنین بخاری، سیارِ آخر سے آگے جہاں، لاہور: سعادت پبلی کیشنز، ۱۹۹۰ء، ص: ۶۱

14۔ حسنین بخاری، لِقا، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۱۶ء، ص: ۱۴۷۔۱۲۳

15۔ حسنین بخاری، سیارِ آخر سے آگے جہاں، ایضاً، ص: ۷۸

16۔ حسنین بخاری، آشعوری سیارہ گاہیں، لاہور: محمد پبلشرز، ۱۹۹۶ء، ص: ۷۵

17۔ حسنین بخاری، لِقا، ایضاً، ص: ۲۳

18۔ حسنین بخاری، صفر ایک، لاہور: محمد پبلشرز، ۲۰۰۲ء، ص: ۱۶